سلسلۂ عوامی ادب و سیاست

# تعمیر

منزلِ اوّل

مُدیر: ظفر پیامی

ریزیڈنسی روڈ سری نگر

کشمیر

ٹیلیفون ۶۴

تار "تعمیر سری نگر"

فی جلد ایک روپیہ

# معمار

## مہجور کشمیری

"مہجور کا یہ گیت پڑھکر مجھے یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ یار مہجور نے خود میرے تخیل کی عکاسی کی ہے۔ یا میں نے اپنی بیشتر نظموں میں مہجور کے خیال کو اپنایا ہے۔" یہ تھے وہ الفاظ جو ڈاکٹر ٹیگور نے کشمیر کے اس مایہ ناز سنکار کے گیت کا ترجمہ پڑھکر کہے تھے۔ مہجور نے نہ صرف اپنے زمانے کے اس سب سے بڑے شاعر کے دل کی ترجمانی کی ہے۔ بلکہ کشمیر کے لاکھوں سپوتوں کے لبوں پر چہکتے ہوئے نغمے گواہ ہیں کہ اسے نظم کی موزونی اور الفاظ کی شیرینی میں اپنے اہل وطن کے دلوں کے دھڑکنوں کو سمو دیا ہے۔ کشمیری زبان کی شیرینی جو آپ کو اس کے کلام میں ملیگی۔ مشکل سے ہی کسی دوسرے شاعر کے ہاں پائینگے۔ اس کی شاعری میں آب شلے اور کیٹس کے فن کا حسین امتزاج پائینگے۔ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ جہاں ان کی تخلیقات اہل علم بورژوا طبقے کے دیوانخانوں کی آرائش بنکر رہ گئیں۔ مہجور کے گیتوں۔ نظموں اور غزلوں کا مسکن لاکھوں کشمیری عوام کے دل ہیں۔ اس کا فن محض دماغ کی تہوں میں ہی نہیں اترتا۔ بلکہ دل کی گہرائیوں میں کھپ جاتا ہے۔ اس کے علم کی قدردانی کرتے ہوئے۔ ڈوگرہ راج میں اسے پٹواری کے عہدے سے بھی سبکدوش کر دیا گیا تھا۔ قریب تھا کہ حکومت وقت اسے شاعری کرنے کیلئے مکمل طور پر دنیاوی دھندوں سے فرغت دینے کیلئے شاہی مہمان بنا دیتی۔ لیکن شیر کشمیر کی حکومت آجانے کی وجہ سے مہجور کو یہ فراغت ملتے ملتے ہی رہ گئی۔

کشمیر کے انقلابی ماحول نے اسکی شاعری میں بھی انقلاب پیدا کیا ہے۔ جس کا اظہار اس نے "پیغام عمل" میں بھی کیا ہے۔ مدیر تعمیر کو ایک بات چیت کے دوران میں اس نے بتایا۔ کہ اب وہ قلم کے ذریعے اپنے عوام کی اس جدوجہد کا ساتھ دیگا۔ جو وہ اس نظام کی تعمیر کیلئے کر رہے ہیں۔ جو خود اس کے خوابوں کی جنت ہے۔ آجکل وہ دو طویل نظمیں کشمیر کی جدوجہد آزادی اور چالیس لاکھ عوام کے نصب العین "نیا کشمیر" کا کشمیری نظم میں ترجمہ کرنے کے علاوہ اردو میں تاریخ کشمیر کی تصنیف میں مصروف ہے +

**عبدالستار عاصی:-** یہ ایسا شاعر نہیں جس کے متعلق کہا جا سکے۔ کہ گھر میں ادبی ماحول تھا۔ بچپن سے ہی طبیعت میں ابال تھا۔ اور جولانیِ طبع کے وہ کارنامے دکھائے۔ کہ چھوٹے بڑے عش عش کر

(باقی آخر پر)

# ترتیب

# دِل کی باتیں

کشمیر کی سرزمین آج ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ہی نہیں۔ بلکہ بین الاقوامی طاقتوں کے لئے ایک اہم جنگ کا اکھاڑہ بنی ہوئی ہے گو ہتھیاروں کی جنگ کو عارضی یا مستقل طور پر بند ہو گئی ہے۔ لیکن لاکھوں کشمیری عوام کی سیاسی اور اقتصادی حقوق کیلئے جنگ ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ در حقیقت قبائلی حملہ سے فراغت پاکر اصلی جمہوری جنگ کا آغاز نو اب ہوا ہے۔ کشمیری نوجوان بھی اپنے اُبھرتے ہوئے عوام کے ساتھ باقی دنیا کے جمہوریت پسند عوام کی طرح میدانِ عمل میں آچکے ہیں۔

کشمیری ادب میں بھی اس جنگی ماحول کی وجہ سے ایک انقلاب آیا ہے۔ تارکُ الدنیا اور گوشہ نشین ادیب آج میدان میں آگئے ہیں۔ اور اسی دور میں صدیوں سے پوشیدہ صلاحیتوں کے فوارے اُچھل پڑے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اُن کی تخلیقات کشمیر کے باہر نہ پہونچنا ادب کے ایک بڑے حصے پر سیاہ پردہ پڑے رہنے کے مترادف ہوگا۔ دوسری طرف کشمیری عوام بیرونِ ریاست کے ترقی پسند ادیبوں کے اُس ادب سے روشناس ہونا چاہتے ہیں۔ جس کی تخلیق وہ نہ صرف اپنے وطن بلکہ تمام دنیا کے دائمی امن اور ترقی کے لئے کر رہے ہیں۔ وقت کی ان اہم ضروریات کے پیشِ نظر تعمیر کے باقاعدہ سلسلے کا اجرا کیا جا رہا ہے۔

اِس میں!

اعلیٰ ترین ادبی سیاسی اور دوسرے مضامین کے ذریعے نوجوانوں کے ذوق اور علم میں اضافہ کرنے کی کوشش کیجائیگی۔

نوجوانوں کو ملک اور قوم کی تعمیرِ نو کے اہم فرض کے لئے تیار ہونے کا بُلاوا دیا جائے گا۔

سامراجی۔ سرمایہ دار اور دوسرے استحصالی عناصر کی اُن سازشوں کو بے نقاب کیا جائے گا جن سے وہ عوام کی اقتصادی غلامی کی بیڑیاں مضبوط کر کے انہیں سیاسی طور پر بھی غلام بنانا چاہتے ہیں۔ دنیا بھر میں سامراجیوں کے خلاف آزادی کے لئے جدوجہد کرتے ہوئے عوام خصوصاً نوجوانوں کے حق میں زبردست آواز اُٹھائی جائے گی۔ ان تخریبی عناصر کے خلاف قلمی جہاد کیا جائے گا۔ جو دنیا بھر میں تعمیر کے نام پر جمہوری تحریکوں کا گلا گھونٹ رہے ہیں۔ صرف ان ہی چیزوں کو جگہ دیجائیگی۔ جو ترقی پسندی کے معیار پر پوری اُترتی ہوئی طلبا اور نوجوانوں کی ذہنی ترقی کی تعمیر میں ممد و معاون ثابت ہوں

تعمیر کا پہلا شمارہ مندرجہ بالا دستور العمل پر ہی مرتب کیا گیا ہے۔ ہمیں فخر ہے کہ تعمیر کو مرتب کرنے میں جہاں کشمیری اور اردو کے بزرگ اور نامور ادیبوں نے ہمارا ہاتھ بٹایا ہے۔ وہیں ایسے اہلِ قلم بھی شامل ہیں۔ جن کی شہرت کا آفتاب ابھی ابھی افقِ ادب سے طلوع ہو رہا ہے۔ اس معاونت کے لئے ہم اپنے تمام قلمی معاونین کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اور امید کرتے ہیں کہ آئندہ بھی اُن کے مشورے سے فائدہ اٹھا کر تعمیر کو عوامی ادب و سیاست کا بہترین نمائندہ بنا سکیں گے۔ ✝

# نئی جنگ

"سنہ ۱۹۴۷ء میں

جیل سے رہا ہونے پر ہمارے سامنے سب سے اہم مسئلہ جاگیرشاہی اور مطلق العنانی سے نجات پانے کا تھا۔ اب جنگ بند ہونے کے بعد ہم پھر اسی پوزیشن پر لوٹ آئے ہیں۔ جاگیرشاہی سے مکمل آزادی ملنی چاہئے۔ یہ ہمارا بنیادی مسئلہ ہے۔ کشمیر کی خوبصورتی اس کے لئے مصیبت بن گئی ہے۔ دنیا کی سامراجی حکومتیں اسکو اپنے قبضے میں لانا چاہتی ہیں۔ اب یہ لوگ تقسیم ملک کرنا چاہتے ہیں۔ مگر کشمیریوں کو کسی کی پرواہ نہیں۔ وہ اپنے ملک کے ٹکڑے نہیں ہونے دیں گے۔ یہ ملک جس طرف جائے گا لوٹا جائے گا۔"

شیر کشمیر کی حضرت بل میں

مورخہ ۱۶ جنوری سنہ ۱۹۴۹ء کو عید میلادالنبیؐ کے موقعہ پر تقریر کا اقتباس

# عزمِ عمل

مہجور کاشمیری

صُبح چھُم باغ چھُم مستانہ دِل چھُم تازہ یاوُن چھُم
بہارس داد ہیوُن چھُم شوقہ سان گلزار چھاوُن چھُم

موافق وقت چھُم ہمّت نہ چھُم سامانہ حاضر چھُم
پنُن وُڈھہ پرنگ چلاوِتھ دُشمنن آسمان ہاوُن چھُم

چھ ہو چھ مژہ پوشہ ہنرہ باغس کمی آبس گمژ ناگس
کھسُن چھُم ابر لاگتھ آسمان باران نزاوُن چھُم

دوکھ پوش پوشہ وِن ژارتھ ننھی بلبل انکھ ژھارِتھ
نوُوی باغاہ بناوُن چھُم نوُونی دنیا بساوُن چھُم

(ترجمہ)

(۱) میرا صبح ہے - میرا باغ ہے - میرا دل مستانہ - اور عہد شباب میں نے بہار سے داد لینا ہے - اور میں نے شوق سے گلزار کا لطف اٹھانا ہے -

(۲) وقت میری موافقت کر رہا ہے - مجھ میں ہمت بھی ہے - اور سامان بھی طیار ہیں - میں نے اپنا ہوائی جہاز چلا کر دشمن کو آسمان دکھانا ہے -

(۳) باغ میں پھولوں کی جھاڑیاں خشک ہو چکی ہیں - چشمے میں پانی کی کمی ہو گئی ہے - میں نے بادل بنکر اور آسمان پر جاکر مینہ برسانا ہے -

(۴) میں سدا بہار پھولوں کی نہالی (پودے) چن چن کر کاشت کرونگا - اور بلبل بھی ویسے ہی تلاش کر کے لاؤنگا - میں نے ایک نیا ہی باغ لگانا ہے - اور نئی دنیا بسانی ہے -

چھہ ہستی پوشہ وِن مستی خرابی بےخودی پستی
خودی ہِنز توپ لأیتھہ بےخودی ہند قلہ پاوُن چھُم

(۵) احساس خودداری ہستی، ہمیشہ والی ایک مستی ہے جہاں کمتری (بےخودی)، خرابی اور پستی کی علامت ہے۔ میں نے خودداری کی توپ سے بےخودی کا قلعہ مسمار کرنا ہے۔

امیرس عیش تہ شادی غریبس خانہ بربادی
تیٚتھِس مغرور آسن وٲل سُند ناوٕی مِٹاوُن چھُم

(۶) ایک امیر کو عیش و عشرت کے سامان میسّر ہیں۔ غریب کے لئے خانہ بربادی۔ میں نے ایسے مغرور دولتمند کا نام ہی دنیا سے مٹانا ہے۔

مشیدن مندرن گرجن دھرم سالن تہ اَستانن
ژِھنن ہِیتِن گژھن اٰژنُک اکُوئی دروازہ تھاوُن چھُم

(۷) مسجدوں مندروں۔ گرجاؤں۔ دھرم سالوں اور زیارت گاہوں میں داخل ہونے کے لئے میں نے ایک ہی دروازہ رکھنا ہے۔

کشیرٕی مشرقس بیدار کرِہ وُزناوہ وقتس پیٹھ +
یہ آلو کاشرن ہندِن کنن منز واتناوُن چھُم

(۸) کشمیر ہی مشرق کو وقت پر بیدار کریگا۔ یہی آواز میں نے ہر کشمیری کے کان میں پہنچائی ہے۔

چھُہ مہجور مس بھران کھاسن یہ لوکُ مس چھُ سارِی چَن
دپان ہنہ ہیٚن تہ ہِیہ پردِن یوسے مس ہا گہ راوُن چھُم

(۹) مہجور شراب کے پیمانے بھر رہا ہے۔ یہ محبت کی شراب تمام لوگ پی لینگے۔ کہتا ہے کہ میں نے یہ شراب ہنوں اور بیگانوں میں یکساں تقسیم کرنی ہے۔ (مترجمہ مہجور کاشمیری)

{پریم ناتھ پردیسی}

# ۲۴- اکتوبر ۱۹۴۷

جسطرح ایک چھوٹی سی ٹھیکری جھیل میں بے شمار لہریں پیدا کرتی ہے۔ اُسی طرح شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک خوف و ہراس کی بے شمار چھوٹی چھوٹی لہریں اٹھیں اور پھیلتی رہیں۔ گلیوں کے نکڑ پر ان آٹے کی دُکانوں پر مندروں اور مسجدوں میں اور عام گذرگاہوں پر ان لہروں نے چھوٹے سے گرداب بنائے۔ جن میں مرد و زن بلا امتیاز مذہب و ملت گھومنے لگے "اب کیا ہوگا۔؟" حملہ آور کہاں پہنچے۔ فلاں شخص مارا گیا۔ فلاں بھاگ کر آگیا۔ بارہ مولہ خالی ہو گا۔ سب کی زبان پر یہی تھا۔ اور سب مزید تفصیل سننے کے لئے بے تاب تھے۔ آل انڈیا ریڈیو سے ابھی اس حملے کی خبر نشر نہ ہوئی تھی۔ اور ہوتی بھی کیونکر؟ حملہ ناگہاں کیا گیا تھا۔ جب ملک بے خبر تھا۔ ملک کے باشندے بے خبر تھے۔ حکومت بے خبر تھی۔ لیکن اتنا ہونے کے باوجود بھی ہم نوجوانوں کو کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ ہمیں یہ بچوں کا کھیل سا نظر آرہا تھا۔ ایک ایسی تفریح جس کے بعد انسان اپنے میں نئی قوت اور نیا جوش محسوس کرتا ہے۔ ہم لوگوں کے ہراس پر قہقہے لگاتے۔ کس قدر تنگ نظر ہیں یہ جو انسان انسان نہیں سمجھتے۔ درندہ سمجھتے ہیں اور خصوصاً اس بیسویں صدی میں مگر حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ انسان درندہ نہیں تھا مگر اُسے بنایا گیا تھا۔ اُس کی جہالت پسماندگی اور غیر آسودہ حالی سے بیاسی شاطروں نے فائدہ اٹھا کر اس کی سرشت میں زہر گھول دیا تھا۔ اور وہی انسان جو کبھی سارے ایشیا کو انسانیت کا درس دے رہا تھا۔ آج زہر کے اثر سے پھنک رہا تھا۔ تپ رہا تھا۔ اور جو چیز اس کے سامنے آتی تھی اُسے کاٹ رہا تھا۔ جلا رہا تھا۔ مار رہا تھا۔

لوگوں کا رخ حق بجانب تھا۔ کلکتہ اور بہار۔ پنجاب اور دہلی کے واقعات انہوں نے اگرچہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھے تھے۔ مگر ان کی لرزہ خیز کہانیاں پڑھ چکے تھے۔ اور ان ہی کہانیوں کے سایے تلے وہ اپنا مستقبل دیکھ رہے ہیں۔ وہ مستقبل جو لحظہ بلحظہ زہر کے دھوئیں میں دھکیلتا جا رہا تھا۔ دسہرہ کے دن جو خوشی اور انبساط تمام لوگوں میں پائی جاتی تھی۔ وہ آج کہیں نظر نہ آتی تھی۔ سب کی آنکھیں حیرت زدہ اور کان کھلے تھے۔ اور تاریکی میں بھٹکے ہوئے مسافروں کی طرح روشنی کی ایک کرن کے لئے آوارہ گھوم رہے تھے۔

امیرا کدل کی سڑکوں پر ریت بچھی ہوئی تھی۔ فوجی پہرہ لگا ہوا تھا۔ ماٹو لہرا رہے تھے۔ لیکن ان سے بھی ہاسینت برس رہی تھی۔ گدادھر کے مندر تک یہی سماں تھا۔ اور تماشہ بین کٹی ہوئی پتنگوں کی طرح ڈول رہے تھے۔ انہیں آج کے دسہرہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ یہ بھی کیا تہوار ہے۔ کہ ایک طرف دشمن بڑھا آرہا ہے۔۔ اور دوسری طرف ہزاروں سال پہلے کی روایات کو تازہ کیا جا رہا تھا۔ نہ اسلئے کہ ثواب اور گناہ کی جنگ میں جو فتح ثواب کی ہوئی تھی۔ اسی سے آج کے لوگ جو لگ بھگ ہر سال نئی قسم کی جنگ دیکھتے ہیں۔ متاثر ہوں۔ لیکن آج کل فتح اور ثواب کو کون پوچھتا ہے۔ آج کل وہی فاتح ہے۔ جس کے پاس تباہی کا زیادہ سے زیادہ سامان ہے آج کل وہی ثوابی ہے۔ جو زیادہ سے زیادہ گناہ پھیلاتا ہے۔

ساڑھے گیارہ بجے کے قریب کشمیر کی مہارانی جی اور راجگورو موٹر میں آئے۔ اور رام محل میں داخل ہوئے۔ ان کی آمد کے تھوڑی دیر بعد شاہی سواری نیزہ باز سپاہیوں کی حفاظت میں آگئی۔ آگے آگے حفاظتی دستہ تھا۔ اس کے بعد چھ گرانڈیل گھوڑوں والی بگھی جس میں مہاراجہ بہادر تھے۔ اور ان کے بعد دوسرا حفاظتی دستہ اور شاہی نوکر چاکر سب کے سب خاموش تھے۔ متفکر تھے۔ چہرے بے رونق اور آنکھیں بے نور اور سڑکوں پر جمع ہوئے لوگ حیران، متوحش اور پریشان۔ اور غالباً نعرے لگانا چاہتے تھے۔ مگر نعرے ان کے منہ سے نکلتے ہی نہ تھے صرف ان کی نظریں اوپر اٹھیں۔ ایک مضبوط امید کے ساتھ ایک مضبوط اعتقاد کے ساتھ۔ مگر شاہی سواری خاموش اور متفکر ماحول کو چیرتی ہوئی

امیدوں کو نظر انداز کرتی ہوئی نکل گئی۔ اور سڑک پر رہ گئے۔ صرف گھوڑوں کے سموں کے نشان۔ یا لوگوں کی پلٹ کر آئی ہوئی یاس بھری نظریں۔ اور تڑپتی ہوئی وہ پریشانیاں جو دمبدم فرار پر آمادہ ہو رہی تھیں۔ راستوں کو تلاش کر رہی تھیں۔

منڈھر میں کیا کچھ ہوا۔ یہ بہت کم لوگوں کو معلوم تھا۔ مگر جو کچھ باہر ہو رہا تھا۔ وہ سب جانتے تھے۔ چار چار اور چھ چھ آدمیوں کے مرحلے ہوئے تھے۔ اور کھسر پھسر ہو رہی تھی۔

جموں کی طرف بھاگنا بہتر رہے گا۔

سواری نہیں ملتی۔

ڈپٹی پرائم منسٹر نے پٹرول دینے سے انکار کیا۔

حملہ آوروں کا مقابلہ کریں گے۔

مہاراجہ بہادر نیشنل کانفرنس کے ہاتھ میں طاقت کیوں نہیں دیتے ؟

حملہ آور اوڑی پہنچ گئے۔

ہمیں اپنی فوج بنانی چاہیئے۔

غرض جتنے منہ تھے اتنی باتیں سب اپنے اپنے تاثرات پیش کر رہے تھے۔ مگر اُن میں منہمنی کوئی نہ تھا۔ سب مبہم سے تھے۔ بارہ مولہ کی سڑک سے ٹانگے یا بیل گاڑیاں اور چھکڑے سامان اور لوگوں سے بھرے ہوئے اس طرح آ رہے تھے۔ کہ یہ تمیز کرنا مشکل ہوتا تھا۔ کہ ان میں کپڑوں کی گٹھری کون سی ہے اور جاندار انسان کون ہے۔ اگر نیچے مرد عورتیں اور بچے تھے۔ تو اُن کے سروں پر صندوق غلیچے اور چٹائیاں۔

اڈے کے نزدیک پہنچکر انسانوں میں حرکت پیدا ہوئی تھی۔ اور وہ سامان سے دو دو ہاتھ کرنے کے بعد نیچے کودنے اور رحم طلب نظروں سے لوگوں کی طرف دیکھتے۔ بیس برگیبڈ کے رضاکار انہیں ہاتھوں ہاتھ لیتے۔ اور آنِ واحد میں محفوظ مقامات پر پہنچاتے۔ سڑکوں پر گھومنے والے انکے

گرد بڑے بڑے واٹرے نباک جمع ہو جاتے۔ اور فوراً ان پر سوالات کی بوچھاڑ کرتے آپ کو فلاں کے متعلق کچھ علم ہے۔ وزارت میں محرر تھا۔ پناہ گزینوں کے جواب تقریباً تقریباً ایک سے ہوتے۔ "ہمیں کچھ نہیں معلوم"۔ وہ اسقدر گھبرائے ہوئے ہوتے کہ مزید سوال کرنا بعید از انصاف نظر آتا۔ جذبۂ ترحم اسقدر اُبھر آتا۔ کہ لوگ ان کا سامان خود کندھوں پر اٹھا کر ان کے ساتھ چلتے۔

سِول لائنز میں یہ ہو رہا تھا۔ اور نیچے شہر میں لوگوں کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔ مسلمانوں نے آج صبح ہی سے ہندؤوں کے مکانوں کی حفاظت کا کام اپنے ذمہ لیا تھا۔ نیشنل کانفرنس کے رضا کار ہل والے بلّے لگا کر گلیوں، کوچوں، اور مکانوں کی نگہداشت کر رہے تھے۔ اور ساتھ ہی ساتھ اتحاد پر دو تقریریں کر رہے تھے۔ وہ شکست پسند ہندؤوں کو اپنے مکانات چھوڑ کر جانے سے بھی روک رہے تھے۔

"ہم فنا ہو جائیں گے۔ لیکن تمہیں نہیں جانے دیں گے"

"ہماری پشت پر نیشنل کانفرنس اور شیر کشمیر ہے"

"ہم دو قوموں کے نظریے کو نہیں مانتے۔ یہ زہر ہے"

کشمیری ہندؤوں کے لیڈر جو سستی شہرت کے لئے بڑے معتبر بنے پھرتے تھے۔ اور معمولی واقعات پر اپنے معرکہ خیز بیانات شائع کراتے تھے۔ آج کہیں نظر نہ آتے تھے۔ اُن کے خلاف شہر بھر میں عام جذبۂ ناراضی پھیلا ہوا تھا۔ اگر یہ ووٹنگ کے دن ہوتے۔ تو وہ گلے میں پھولوں کے ہار پہنے بانکے نوابوں کی طرح گلی گلی گھومتے نظر آتے۔ اور لوگوں کو اپنی چرب زبانی سے وہ سبز باغ دکھاتے کہ باید و شاید۔ مگر وہ جانتے تھے۔ کہ آج نہ ہار کام آسکتے ہیں نہ سبز باغ۔ اس لئے وہ بزدل افراد سے پہلے غالباً اپنے لئے راہِ فرار تلاش کر رہے تھے۔

مگر قوم کے نوجوانوں نے اس بار اپنی ہمت سے کام لیا۔ انہوں نے جانا کہ قوم کا سیاسی شیرازہ بکھر چکا ہے۔ اور قوم کی حفاظت کا سارا بوجھ اِن کے کندھوں پر آ پڑا ہے۔ وہ آندھی کی طرح اٹھے۔ آگے بڑھے۔ اور نیشنل کانفرنس اور پیس بریگیڈ کے رضا کاروں میں شامل ہو گئے۔ اتنا ہی نہیں۔ بلکہ انہوں نے محلہ اور حلقہ کمیٹیوں کے تعاون کے ساتھ ہر محلے میں گشتی ٹولیاں بنائیں۔ اور مِل جُل کر کام کرنے

گئے۔ انہیں محسوس ہوا۔ کہ فرقہ پرستی کا بھوت آج تک اُن کے اذہان پر اُن ہی چند لیڈروں کی مہربانی سے سوار ہو گیا تھا اس نازک گھڑی میں اپنے مہیب دانت نکالکر ساری قوم کے سامنے کھڑا للکار رہا تھا۔ انہوں نے فوراً اپنی چھاتیوں پر قومی نشان چسپاں کئے۔ اور ہل کی تیز نوک سے گرجتے ہوئے بھوت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔ اور جس کا اب تک صرف احساس ہو رہا تھا۔ آندھی کی تیزی کے ساتھ آگے بڑھی۔ اور سمندر کے ساتھ ایسی گھل مل گئی۔ کہ یہ اندازہ لگانا مشکل ہو گیا۔ کہ کونسی فوج کہاں سے اٹھی تھی۔ البتہ جب اس طرح سے سمندر گرجنے لگا۔ تو اسکی گونج میں ایک شان۔ ایک خود اعتمادی اور ایک عظیم طاقت پیدا ہو گئی۔

شام تک سارا شہر قومی جھنڈوں سے سج گیا۔ اور شہر کے باسیوں کی چھاتیاں پر قومی نشان سے ایسا دکھائی دیتا تھا جیسے ننھے ہونے ہوئے بھی ہمارے مکانوں پر۔ دکانوں پر۔ گذر گاہوں اور شاہراہوں پر۔ ہمارے ہاتھوں میں۔ سینوں پر بہت بڑے ہتھیار ہیں۔ جن کے آگے نہ توپوں کی ہستی ہے نہ پرمانو بموں کی۔ آج شام کو چاندماری کے میدان میں راون اور ان کے ساتھیوں کے بت جلائے جانے والے تھے۔ لیکن لوگوں کو ہزاروں سال پہلے کے ہتھیاروں کا انجام دیکھنے کی مطلق خواہش نہ تھی۔ آج وہ اس ہتھیارے کا انجام دیکھنا چاہتے تھے۔ جو بلا وجہ اُن کے وطن پر چڑھ آیا تھا۔ اور ہزاروں راجوں کی سیتاؤں کو اپنے ظلم کی لنکا میں قید کر رہا تھا۔ اُن کی فوجوں کو تہ تیغ کر رہا تھا۔ اُن کی اجودھیا کو اپنے ناپاک قدموں سے روندھ رہا تھا۔ اُن کے سونے کے گھروں کو کئی ہزار بازوؤں سے لوٹ رہا تھا۔ لنکا کا راون ایک راکھش تھا۔ جس کے سر میں ایک راکھش کا دماغ تھا۔ اگر اُس نے اجودھیا کے امن کو درہم برہم کرنا چاہا تھا۔ تو وہ اِس سے زیادہ مواخذہ کا سزاوار نہ تھا۔ مگر پنجاب اور سرحد کے یہ راون۔ جو علم اور روشنی کے اس زمانے میں رہتے ہوئے بھی انسان نہ بن سکے۔ صرف جلائے جانے کے حقدار نہ تھے۔ بلکہ صفحۂ ہستی سے مٹانے کے مستحق تاکہ انسانیت بے داغ ہو۔ اور کشمیر کا شیر جس کے کندھے پر زمانے نے رام کا دھنش رکھا تھا اپنی ننھی فوجوں کو جمع کر رہا تھا۔ اُس کے وشٹ نے آج سے کئی سال پہلے اُسے دہلی اور الہ آباد سے

فلسفۂ حیات کا درس دیا تھا۔ اسی فلسفے کی روشنی میں وہ تیر کمان سنبھالے راون کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ کل شام کو اس کی دھاڑنے غاروں سے گیدڑوں کو باہر نکال کر شیر بنایا تھا۔ اور آج شام وہ پھر دھاڑنے والا تھا۔ جبھی لوگ بھاگے جا رہے تھے۔ ان کے دلوں میں اگرچہ کچھ کچھ خوف اب بھی باقی تھا۔ مگر ان کے ہونٹوں پر شیر کشمیر زندہ باد ——— ہندو مسلم سکھ اتحاد زندہ باد ——— اور حملہ آور خبردار کے نعرے گونج رہے تھے۔ چھوٹے چھوٹے بچے خود بخود بڑی تیزی کے ساتھ صف آرا ہو رہے تھے۔ وہ بھی اپنی معصوم زبان میں شیر کشمیر کا کیا ارشاد ——— ہندو مسلم سکھ اتحاد" کے نعرے لگاتے ہوئے امیرا کدل کی طرف جا رہے تھے۔ اور لوگ ان کی معصومیت، دلاوری، خود اعتمادی سے اِسقدر متاثر ہو رہے تھے۔ کہ ضعیف اور ناتوان بوڑھے بھی ان کی راہ پر پلکیں بچھانے پر آمادہ ہوتے تھے۔

امیرا کدل میں چہل پہل بڑھ گئی تھی۔ پلیڈیم کے سامنے سروں کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ سب کے دل دھڑک رہے تھے۔ مگر نظریں پلیڈیم کی کھڑکیوں سے ٹکرا ٹکرا کر پوچھ رہی تھیں۔

"کہاں ہے ہمارا نجات دہندہ ———؟ کہاں ہے ہمارا رام؟ ——— کہاں ہے ہمارا شیر کشمیر ———" اور اُن کا نجات دہندہ اندر متفکر بیٹھا ہوا تھا۔ اوڑی پر حملہ آوروں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ اور وہ آگے بڑھ رہے تھے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد بھوں بھوں کرتی ہوئی موٹریں آتی تھیں۔ اور چاندماری کی طرف جا رہی تھیں۔ اِن میں بھڑکیلے لباس پہنے افسر اور فوجی تھے۔ جنہیں دسہرہ کے تہوار میں شمولیت کے بعد مہاراجہ بہادر کی خدمت میں نذرانہ عقیدت پیش کرنا تھا۔ لوگ ان پر حقارت آمیز قہقہے لگا رہے تھے۔ پھبتیاں اڑا رہے تھے۔ اور ایک دوسرے سے کہتے تھے۔ "اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو ——— یہ فرسودہ نظام کے فرسودہ پرزے ہیں۔ انہیں کچھ نہ کہو۔ انہیں رام لیلا کا حظ اُٹھانے دو، شامیانوں کے نیچے بیٹھنے دو، عقیدت کے طلائی ثبوت پیش کرنے دو، انہیں کچھ نہ کہو اور وہ جا رہے تھے، سر سے پاؤں

تک مضحکہ خیز لباس پہنے، کمر میں وہ تلواریں لٹکائے ہوئے جو میانوں کے اندر ہی زنگ آلودہ ہو چکی تھی۔
چاند ماری میں گولے سر ہو گئے بت جلائے گئے اور تماشہ بین سورماؤں کی سلامی اُتاری گئی، جے جے کار کے نعرے بلند ہوئے، فتح فتح، بے جان راون کو زیر کیا گیا۔ یہ کیا کم تھا۔ کہ اسے زیر کرنے والے جبہ پوش زنگ آلود تلواریں لٹکائے۔ موچھوں پر تاؤ دئے رہتے تھے۔ لیکن عوام بے دل تھے۔ انہیں یہ سب کچھ ڈھونگ نظر آ رہا تھا۔ جس کی تہ میں اس کے سوا کچھ نہ تھا۔ کہ گرتی ہوئی عمارت کو برقرار رکھنے کا احساس لوگوں کو ہوتا رہے۔ وہ آج اس احساس کے لئے نہیں۔ بلکہ مدد اور بچاؤ کے لئے پریشان تھے۔ وہ اپنے محبوب رہنما کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے تھے۔ اسکی دھاڑ کو اپنے کانوں سے سننے کے لئے بے تاب تھے۔ مگر اس وقت ان کا محبوب چپ تھا۔ متفکر تھا۔ اس کا جسم اگرچہ پلیڈیم کی بالائی منزل پر ہی تھا۔ مگر اسکی رُوح اوڑی سے پرے اپنے ہموطنوں کے لئے بھٹک رہی تھی۔ ڈوگرہ فوج کے مٹھی بھر سپاہی اس وقت دشمن کی لشکروں کو درہم برہم کر رہے تھے۔ انہوں نے قبائلیوں کو روکنے کے لئے سر دھڑ بازی لگائی تھی۔ بریگیڈیر راجندر سنگھ بڑی بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ پیچھے سے کوئی کمک نہیں آ رہی مگر نہ بہ کے ؟ وہ پسپا ہو گئے تھے۔ اور دشمن اُن کی لاشوں کو روندتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

عوام نے چلا چلا کر نعرے بلند کئے "شیر کشمیر زندہ باد ـــــ شیر کشمیر زندہ باد۔ اس بار شیر کشمیر اپنی جگہ سے اُٹھے۔ اور کھڑکی میں کھڑے ہو گئے۔ لوگوں کا جوش و خروش اور بڑھ گیا۔ نعرے ایک بار پھر گونج اُٹھے۔ "شیر کشمیر زندہ باد۔ حملہ آور خبردار۔ ہم کشمیری ہیں تیار"

عوام کا یہ جوش و خروش دیکھ کر شیر کشمیر کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیلی۔ انہوں نے دھیمی آواز میں کہا:۔

میرے بھائیو ! دشمن نے ہم پر اچانک حملہ کیا، جب ہم نے ابھی یہ فیصلہ بھی نہ کیا تھا۔ کہ ہمیں کسی مملکت میں شامل ہونا چاہئے یا نہیں۔ کسی مملکت میں شامل ہونے سے پیشتر سب سے بڑا سوال ہمارے سامنے آزادی کا ہے۔ جو ہم سے آج کئی صدیوں سے چھینی گئی ہے۔ پھر بھی ہم نے مصمم ارادہ کیا۔ کہ ہم دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ اور اپنی خودداری اور غیرت پر آنچ نہ آنے دینگے۔ میری آپ سے صرف اتنی ہی گذارش ہے۔ کہ تم متحد ہو جاؤ۔ اور اپنی قومی فوج میں بھرتی ہو کہ دشمن کا مقابلہ کرو۔"

لوگوں نے جوابی نعروں میں اپنے محبوب رہنما کو اتحاد کا مکمل یقین دلایا۔ اور پھر بڑی بڑی ٹولیوں میں ہندو مسلمان اور سکھ وطن کے گیت گاتے ہوئے "ہندو مسلم سکھ اتحاد" کے نعرے لگاتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو لوٹے۔ اس وقت محسوس ہو رہا تھا، جیسے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک مضبوط فصیل تیار ہو رہی ہے۔ جس کی بنیادیں ہندو مسلم اور سکھ اتحاد پر ہے۔

رات کو لوگ بڑے اشتیاق سے آل انڈیا ریڈیو کی خبروں کا انتظار کرنے لگے۔ مگر بجلی کی رو رات کے ساڑھے آٹھ بجے منقطع ہو گئی۔ جس سے اندر ہی اندر ہراس پھیلا۔ اس سے یہ اندازہ لگایا گیا۔ کہ دشمن مہورہ سے آگے پہنچ چکا ہے۔ اور غالباً بونیار میں ہے۔ +

ولی کاشمیری

## جہنم ہے جنتِ بےنظیر کی تقسیم

اے قوم تیری موت ہے کشمیر کی تقسیم
زہر ہے یہ شکر و شیر کی تقسیم

وابستۂ اتحاد ہے کشمیر کی ازل
منظور نہیں ہے ہمیں تقدیر کی تقسیم

"زونل پلیبسٹ" کا یہ شوشۂ نو
غیرت کا امتحان ہے کشمیر کی تقسیم

تقسیم چمن برق ہے خرمنِ امن پر
جہنم ہے جنتِ بےنظیر کی تقسیم

شاطرانِ دہر کو سوجھی کیا عجب
کرتے ہیں وہ کشمیر کے تنویر کی تقسیم

اکسیر ہے قوم کو وطن کی خاکِ پاک
موت ہے کشمیر کی اکسیر کی تقسیم

تدبر کا دیوالہ تھا آہ ہند کی تقسیم
پیام اجل ہے ولی کشمیر کی تقسیم